AL-MARSOOS

ISSN(P): 2959-2038 / ISSN(E): 2959-2046

https://www.al-marsoos.com

علم تفسیر میں قراءت قرآنیہ سے استفادہ کے اصول

Principles and Methodologies for Incorporating Quranic Qira'at into Tafseer Studies

ABSTRACT

The science of Tafseer focuses on the explanation and interpretation of the Holy Quran. From the early Islamic centuries to the present era, scholars have authored thousands of Quranic commentaries. In this scholarly endeavor, the knowledge of Qira'at Qur'aniyyah (Quranic readings) holds significant importance, much like other auxiliary sciences. The science of Qira'at extensively discusses the various modes of Quranic recitation, which serve as a fundamental source for all Islamic sciences. Whether they are Mutawatir or Shaadh readings, Qira'at play a crucial role in disciplines such as grammar (Nahw), morphology (Sarf), rhetoric (Balaghah), and lexicography (Lughat). In reality, Qira'at represent a vast ocean from which streams of Islamic and Arabic sciences emerge. These readings are akin to an eternal tree, from which the branches of Islamic knowledge continue to grow. Thus, it can rightly be said that Quranic readings have played a pivotal role in the evolution and development of all Islamic sciences. Particularly in the domain of Tafseer, Qira'at hold foundational importance, as they help in comprehending the meanings and implications of Quranic verses. Different readings often provide varying shades of meaning, allowing scholars to prefer one interpretation over another based on linguistic, contextual, or juristic considerations. Consequently, Quranic readings not only enrich the interpretive process but also highlight the scholarly diversity in understanding divine revelation, as reflected in the differing approaches of classical Mufassirun (exegetes) and Fuqaha (jurists).

Keywords: *Qira'at, Qur'an, Tafseer, jurists, Qira'at Qur'aniyyah.*

****Correspondence Author:***
Hafiz Zahid Mehmood*M.Phil, Dept. of Quran and Tafseer, Allama Iqbal Open University Islamabad.*

AUTHORS

Hafiz Zahid Mehmood*
M.Phil, Dept. of Quran and Tafseer, Allama Iqbal Open University, Islamabad:
mehmoodz809@gmail.com

Dr Hafiz M. Arshad Iqbal**
Assistant Professor, Department of Quran and Tafseer Allama Iqbal open University, Islamabad:
arshad.iqbal@aiou.edu.pk

Date of Submission: 16-12-2024
Acceptance: 14-01-2025
Publishing: 25-01-2025

Web: https://www.al-marsoos.com/
OJS: https://www.al-marsoos.com/index.php/AMRJ/about
e-mail: editor@al-marsoos.com

تمہید

عربی ایک فصیح زبان ہے اس میں مختلف قبائل کی بولیاں اور لہجے شامل ہیں۔ایک معنی کو بیان کرنے کے کئی طریقوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔عربی زبان کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس میں قرآن کریم سات حروف کے ساتھ نازل ہوا ہے۔حدیث مبارکہ میں ہے **"انزل القران علی سبعة احرف "**۔[1]

انہی سات حروف کو اختلاف قراءات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔قراءات مختلف اقسام اور درجہ کی ہیں۔مشہور دس قاریوں کی قراءتیں مدتوں سے تواتر کے ساتھ نقل ہوتی آئی ہیں۔ان کے علاوہ جو قراءتیں منقول ہیں وہ خبر واحد، تفسیری اقوال بشکل قراءات یا شاذ قراءتوں کی حثیت رکھتی ہیں۔جن کا تعلق تفسیری ذخیرہ سے بہت اہم ہے۔کیونکہ دیگر تفسیری ماخذ کی طرح قراءات قرآنیہ بھی ایک تفسیری ماخذ ہے۔جس کا تعلق تفسیر القرآن بالقرآن سے ایسا ہے کہ علم قراءات کے بغیر علم تفسیر نامکمل ہے جس کی بنا پر تفسیری معنی کی تکمیل ممکن نہیں ہے جیسے دکتور سالم بازمول ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔**"المعنی التفسیری الناقع عن اختلاف القراءات بمقبولة هو من نوع تفسیر القرآن بالقرآن"**۔[2]

"جو تفسیری معنی قراءات مقبولہ سے حاصل ہوتا ہے وہ تفسیر القرآن بالقرآن کی قسم میں سے ہے"۔نیز مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔"تفسیر القرآن بالقرآن کی دوسری شکل پر ہوتی ہے کہ کوئی بات ایک مخصوص قراءت میں مبہم ہوتی ہے لیکن اسی کلمہ کی دوسری قراءت میں وہی بات وضاحت کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔مثلاً آیت وضوء **"فاغسلواوجوهکم وایدکم الی المرافق وامسحو برؤوسکم وارجلکم الی الکعبین(المائدہ6)** کلمہ قرآنی **(وارجلکم)** میں دو متواتر قراءات ہیں ایک نصب کے ساتھ دوسری جر کے ساتھ۔[3]
جر والی قراءۃ میں غسل رجلین کا مسئلہ واضح نہیں ہوتا، جبکہ نصب والی قراءۃ میں یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے۔اس طرح متواتر قراءات کی روشنی میں جو تفسیر کی جاتی ہے وہ قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔البتہ مشہور قراءات سے اگرچہ علم قطعی تو حاصل نہیں ہوتا لیکن تفسیر میں ان کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور شاذ قراءات سے استدلال کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں بعض کے نزدیک یہ خبر واحد کے درجہ میں قبول کی جاسکتی ہیں اور بعض حضرات ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔اس کی پوری تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔"[4]
قرآن کریم کی تفسیر کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہے لہذا جو شخص قرآن کریم کی تفسیر معلوم کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک موضوع کے متعلق وارد ہونے والی تمام مکرر آیات کو جمع کرنے اور پھر تمام آیات کی روشنی میں قرآن کی تفسیر معلوم کرے۔چنانچہ معالم التنزیل میں ہے۔**"ان من اراد تفسیر القرآن طلبه اولا من القرآن نفسه"**[5]

جو شخص قرآن کی تفسیر کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ سب سے پہلے اس کو خود قرآن میں تلاش کرے۔علم قراءات میں بھی چونکہ کلمات قرآنی سے بحث ہوتی ہے۔تو یہاں قراءات کی اقسام کے ذکر سے پہلے اجمالی طور پر تفسیر کا تعارف بھی کرواتے ہیں۔

1-النسائی،احمد شعیب:سنن النسائی،فضائل القرآن ،حدیث 8093،دارالکتب العلمیه،بیروت،1411ھ

2-سالم بازمول:القراءات واثرها فی التفسیر والاحکام ،304/1،رساله ادکتورة جامعه ام القریٰ،1413ھ،

3-مصحف القراءات العشر ،سورة المائدة:6

4-عثمانی ،مفتی محمد تقی،:علوم القرآن ،ص330،مکتبه دارالعلوم کراچی،2003ء

5-البغوی،معالم التنزیل،دار طیبه للنشر والتوزیع،ریاض،طبع 1409ھ،8/1

لفظ تفسیر کا لغوی معنی

لفظِ تفسیر کا مادہ "فسر" ہے اس کے معنی ہیں ظاہر کرنا، کھولنا۔

القاموس المحیط میں ہے:

"الفسر: الإبانة وکشف المغطی۔"[6]

لسان العرب میں ہے:

"الفسر: البیان وکشف المغطی۔"[7]

اس کا فعل باب نصر و ضرب دونوں سے آتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلا یَأْ تُونَکَ بِمَثَلٍ إِ لّاجِئْنٰکَ بالحَقِّ وأحسَنَ تَفسِیرًا

اور جو مثال بھی وہ آپ کے پاس لائیں گے اس کے عوض ہم آپ کے پاس حق اور اس کی بہترین تفسیر لائیں گے۔ (الفرقان: ۳۳)

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

مناہل العرفان میں ہے:

"والتفسیر فی الاصطلاح: علم یبحث فیه عن القرآن الکریم من حیث دلالته علی مراداللّٰه تعالی بقدرالطاقة البشریة۔"[8]

"یہ ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم سے، اللہ تعالی کی مراد پر دلالت کے حوالہ سے، انسانی طاقت کے مطابق بحث کی جاتی ہے۔"

قراءات کی اقسام باعتبار قبولیت

قراءات کی، قبولیت یا عدم قبولیت کے اعتبار سے، دو قسمیں ہیں:

نمبر۱۔ قراءات مقبولہ

اس سے مراد ہر وہ قراءت ہے، جس کی سند ٹھیک ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے موافق ہو، عربی قواعد نحو سے مطابقت رکھتی ہو۔

نمبر۲۔ قراءات مردودہ یا غیر مقبولہ

اس سے مراد ہر وہ قراءت ہے، جس میں مذکورہ تین شرائط میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو۔[9]

قراءات کی اقسام باعتبار سند

سند کے اعتبار سے قراءات کی چھ قسمیں ہیں:

نمبر ا۔ المتواتر

القراء ۃالتی نقلها جمع لایمکن تواطؤهم علی الکذب عن مثلهم إلی منتهاه۔[10]

6-الفیروز آبادی:القاموس المحیط،مؤسسه الرساله،دمشق،طبع،1998ء ،156/3

7- ابن منظور،لسان العرب،ابی الفضل جمال الدین،نشر ادب الحوزة قم،اشاعت 1984ء،55/5

8-الزرقانی،مناہل العرفان،6/2

9-ابن الجزری ،شمس الدین،ابوالخیر محمد بن محمد :النشر فی القراءة العشر،9/1،دارالکتب العلمیه ،بیروت،نیز سام باز مول:310/1-324

10-السیوطی،امام جلال الدین ،عبدالرحمن بن ابی بکر:الاتقان فی علوم القرآن،77/1-80،نیز نبیل بن ابراہیم:علم القرءات،ص42

"یہ وہ قراءت ہے جس کو ایک ایسی جماعت دوسری جماعت سے نقل اخذ کرتی ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔"

نمبر ۲۔المشہور

القراء ۃالتی صح سندھا،ولم تبلغ درجة المتواتر،ووافقت الرسم والعربية،واشتهرت عندالقراء ،فلم يعدّوها من الغلط ولامن الشذوذ۔[11]

"یہ وہ قراءت ہے جس کی سند صحیح ہو،لیکن درجہ تواتر تک نہ پہنچے،اصول عربیت اور مصحف عثمانی سے ہم آہنگ ہو، البتہ قراء کے نزدیک اتنی مشہور ہو کہ وہ اس کو غلط یا شاذ شمار نہ کریں۔"

نمبر ۳۔الآحاد

القراء ۃالتی صح سندھا،وخالفت رسم المصحف أوالعربية،أوكليهماولم تشتهرالاشتهارالمذكورآنفا۔[12]

"یہ وہ قراءت ہے جو صحیح السند ہو،مگر مصاحف عثمانیہ یا قواعد عربیت کے موافق نہ ہو،یا دونوں کے موافق نہ ہو،اور مذکورہ شہرت کی حامل بھی نہ ہو۔"

نمبر ۴۔الشاذ

القراء ۃ التی لم يصح سندھا،اوخالفت الرسم ،اولاوجه لهافی العربية۔[13]

"جس کی سند صحیح نہ ہو،یا رسم کے مخالف ہو،یا عربیت کی کسی وجہ پر بھی درست نہ ہو۔

نمبر ۵۔المدرج

"العبارة التی زيدت بين الكلمات القرآنيةعلى وجه التفسير۔"[14]

"یہ وہ قسم ہے جس میں قرآنی کلمات کے درمیان تفسیر و تشریح کے پیش نظر کسی لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے"۔

۶۔الموضوع

"القراء ۃالتی نسبت الی قائلها من غيرأصل أی من غيرسند مطلقا۔"[15]

"یہ وہ قراءت ہے جو بلا دلیل کسی کی طرف منسوب ہو۔"

ان مذکورہ چھ اقسام میں سے متواتر، مشہور، اورآحاد(اگر آحاد کی سند درست ہو،اور عربیت کے موافق ہوں)یہ تین اقسام تو قراءات مقبولہ کے تحت داخل ہیں،متواترہ اور مشہورہ کے قرآن ہونے پر اتفاق ہے،ان کو پڑھا پڑھایا جاتا ہے،ان کا انکار، قرآن کا انکار ہے اور کفر ہے۔باقی تین اقسام یعنی شاذ،مدرج،موضوعاور وہ قراءات آحاد جو عربیت کے مخالف ہوں،دوسری قسم یعنی قراءات مردودہ یا غیر مقبولہ کے تحت داخل ہیں اور یہ یقیناً قرآن نہیں ہیں۔[16]

11-ایضا

12-نبیل بن ابراہیم،ص42

13-ایضا

14-ایضا

15-ایضاً،نبیل بن ابراہیم،ص35-39

16-رشید احمد تھانوی،ڈاکٹر: قرآن حکیم پر اختلاف قراءات کے اثرات،مقالہ ایم،فل،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد،2006ء

علم تفسیر میں قراءات قرآنیہ سے استفادہ کے اصول

قراءات کی اقسام باعتبار تعدد معنی

معنی ومفہوم کے اتحاد یا تعدد کے اعتبار سے ان مختلف قراءات کی دو قسمیں ہیں:

نمبر ا۔ متحد المعنی

یعنی کلمہ کا تلفظ ہو مختلف لیکن معنی ومفہوم میں ایک ہی ہو۔ مثلا: عَلَيْهِمْ اور عَلَيْهُمْ ،قَرْحٌ اور قُرْحٌ وغیرہ۔

۲۔ مختلف المعنی

یعنی تلفظ مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ معنی بھی مختلف ہو۔

مثلا: مَالكِ یوم الدّ ین ، مَلِکِ یوم الدّ ین(الفاتحۃ:۳)

پھر معنی مختلف ہونے کی دو صورتیں ہیں:

(الف)

تلفظ مختلف ہونے سے معنی یا ترجمہ تو بدل جائے، لیکن مفہوم اور مطلب ایک ہی نکلتا ہو یعنی دونوں قراءتوں کا مصداق ایک ہی ہو اور ان کے معنی میں کوئی باہمی تعارض یا تضاد نہ ہو۔

مٰلِکِ یَوم الدّ ین ، مَلِکِ یَومِ الدّ ین ۔اسی طرح فتبینوا /فتثبتوا

(ب)

تلفظ اور معنی مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں قراءتوں کے معنی میں بظاہر ایک قسم کا تعارض بھی ہو۔[17]

مثلا:

يَطْهُرْ نَ، يَطَّهَّرْنَ(البقرۃ:۲۲۲) أرْجُلَكُمْ، أرْجُلِكُمْ(المائدۃ:٦) وغیرہ

قراءات کی اقسام باعتبار تفسیری اثرات

تفسیری اعتبار سے قراءتیں اولاً دو قسم پر ہیں:

نمبر ا۔ وہ قراءتیں جن سے تفسیر پر کوئی واضح اثر نہیں ہوتا، زیادہ قراءتیں اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

نمبر ۲۔ دوسری قسم وہ جن کا تفسیر پر کچھ نہ کچھ اثر واقع ہوتا ہے۔

پھر ان میں بعض قراءتیں اس نوعیت کی ہیں کہ ان سے تفسیری معنی میں مزید وضاحت اور توسیع پیدا ہوتی ہے، یا کوئی اشکال یا ابہام دور ہو جاتا ہے، لیکن بہر حال ان کا محمل اور مصداق ایک ہی ہوتا ہے۔ جبکہ بعض قراءتیں ایسی ہیں کہ ایک قراءت کا مفہوم ومصداق دوسری قراءت سے بالکل مختلف ہوتا ہے لہذا دونوں قراءتوں سے دو مختلف احکام ثابت ہوتے ہیں، یا ایک ہی حکم کی دو ممکنہ صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔

قرآن حکیم کی تفسیر پر اثرات کے اعتبار سے مختلف قراءتوں کی مندرجہ ذیل قسمیں بنتی ہیں:

نمبر ا۔ معنی کی تبیین وتوضیح کرنے والی قراءتیں۔

یعنی ایک قراءت میں معنی واضح نہیں ہوتا دوسری قراءت سے معنی واضح ہو جاتا ہے، یا مراد متعین ہو جاتی ہے۔

نمبر ۲۔ معنی میں وسعت پیدا کرنے والی قراءتیں۔

17-عثمانی، مفتی محمد تقی، علوم القرآن،340

ایک قراءت کا معنی محدود ہوتا ہے، دوسری قراءت سے معنی میں مزید وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

نمبر ۳۔ اشکال کو دور کرنے والی قراءتیں۔

ایک قراءت سے کوئی اشکال پیدا ہوتا ہے، تو دوسری قراءت سے وہ دور ہو جاتا ہے۔

نمبر ۴۔ عام معنی پر مشتمل قراءتیں۔

یعنی ایک قراءت میں معنی خاص ہوتا ہے دوسری قراءت سے معنی میں عموم پیدا ہو جاتا ہے۔

نمبر ۵۔ تقییدی معنی پر مشتمل قراءتیں۔

ایک قراءت میں معنی مطلق ہوتا ہے دوسری قراءت سے معنی میں ایک قید کا اضافہ ہو جاتا ہے۔[18]

اسی طرح سے علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ کی قدیم اور مستند کتابوں کا ایک جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اکثر مفسرین، محدثین اور فقہاء نے نہایت اہتمام کے ساتھ قراءات کو اپنی کتب میں ذکر کیا ہے اور جابجا ان سے استدلال کیا ہے۔ علم نحو کی کتب میں بھی مختلف قراءتوں سے استشہاد کی مثالیں ملتی ہے تفسیر کی کتابوں میں تفسیر طبری، تفسیر کبیر الرازی تفسیر کشاف الزمخشری، احکام القرآن لابن العربی، تفسیر روح المعانی از علامہ آلوسی، تفسیر الدر المنثور للسیوطی، البحر المبسوط، علامہ ابوحیان نحوی، المحرر الوجیز لابن عطیہ، تفسیر قرطبی، تفسیر مظہری، تفسیر بیان القرآن، انوار البیان وغیرہ میں اختلاف قراءات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔[19]

چنانچہ اختلاف قراءات سے استفادہ میں مفسرین کے ہاں بھی فقہاء کی طرح کئی طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

قراءات سے استفادہ کے چند بنیادی اصول وضوابط

تفسیر میں قراءاتِ متواترہ کی قبولیت میں جمہور علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں ملتا۔ البتہ دو مختلف المعنی قراءتوں میں ترجیح وغیرہ کا رجحان پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک قابل قبول معنی ہی کسی قراءت کے قبول ہونے کا معیار ہے، جیسا کہ امام ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کا طرز عمل متواتر قراءات میں راجح و مرجوح قرار دینے کا رہا ہے۔ لیکن جمہور مفسرین نے اس طرز عمل کو ناپسند کیا ہے۔ ذیل میں ائمۂ قراءات اور ائمۂ تفسیر کے مسلمہ اصول وضوابط کا ایک خاکہ پیش کیا جا رہا ہے، جن کی روشنی میں متقدمین فقہاء و مفسرین نے قراءات سے استفادہ کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱ :

إذا ثبتت القراءة فلا يجوز ردّها أو ردّ معناها وهي بمنزلة آية مستقلّة۔[20]

"جب کوئی قراءت صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو اس کو رد کرنا یا اس کے معنی کو رد کرنا جائز نہیں ہے، ایسی قراءت، بمنزلہ آیت مستقلہ کے ہوتی ہے۔"

کسی بھی قراءت کی صحت اور ثبوت کے لیے اس میں تین ارکان کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ صحت سند: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قراءۃ عادل اور ضابط رواۃ سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہو اور ائمہ قراءات میں مشہور و متداول ہو۔

۲۔ موافقت رسم عثمانی: یعنی مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مصحف کے ساتھ اس کے رسم الخط میں موافقت ہونا، یہ وہ مصاحف ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کر مختلف شہروں میں بھیجے تھے۔

18-رشید احمد تھانوی، ڈاکٹر: علم تفسیر میں قراءات قرآنیہ سے استفادہ کے مناہج، مقالہ پی ایچ ڈی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2013ء

19-حسين بن على بن حسين الحربی: قواعد الترجيح عند المفسرين، دراسة نقديةتطبيقية، 89، دار القاسم، رياض، 1417ھ

20-النشر: 9/1 حواله مذكور

۳۔ عربی قواعد کی موافقت خواہ وہ کسی بھی وجہ سے ہو، خواہ وہ وجہ فصیح یا ہو افصح، اس کی صحت پر اجماع ہو یا آئمہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہو۔[21]

"فہی بمنزلة آية مستقلة"۔ کا مطلب:

یعنی ہر قراءت، ایک مستقل آیت ہے، اس نقطہ پر کئی علماء نے کلام کیا ہے، جیسے ابن العربی، ابن تیمیہ، زرکشی، سیوطی اور شنقیطی وغیرہ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "القراء تان كالآيتين ۔"[22]

دو قراءتیں، دو آیتوں کی طرح ہیں۔ ایک ہی آیت میں جتنی زیادہ قراءتیں ہوں گی اتنی ہی زیادہ آیات شمار ہوں گی۔

علامہ شنقیطی فرماتے ہیں:

"جب ایک ہی آیت میں دو قراءات کا آپس میں تعارض واقع ہو جائے تو ان دو قراءات کا حکم دو آیتوں جیسا ہو گا۔"[23]

امام ابن تیمیہؒ کچھ قراءات کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان تمام قراءات کے معانی مختلف ہیں اور سب صحیح ہیں، ہر قراءت بمنزلہ مستقل آیت کے لیے، ہر ایک پر ایمان اور علمی و عملی اعتبار سے اعتقاد رکھنا واجب ہے، تعارض کا خیال کرتے ہوئے کسی ایک قراءت کو بھی چھوڑنا جائز نہیں، اس قاعدہ کی مثال درج ذیل ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِی تَسَاء لُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ "۔(النساء:۱)

"والارحام" کے لفظ میں مختلف قراءات پائی جاتی ہیں، امام حمزہ نے میم کے جر سے پڑھا ہے، باقی قراء نے میم کے نصب سے پڑھا ہے۔ جر کی قراءت میں معنیٰ ہو گا، کہ قرابت داری کی قسم اٹھانا۔ جیسے، عربوں کا مقولہ ہے:

" سأسئلک باللّٰه وبالرحم"۔ "میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کی قسم دیتا ہوں۔"

نصب والی قراءت میں تقدیر عبارت ہو گی: "واتقوا الأرحام أن تقطعوہا ۔ "

یعنی صلہ رحمی کو ختم کرنے سے پرہیز کرو، اس تفسیر کو، ابن عباسؓ، قتادہؒ، عکرمہؒ وغیرہ نے لیا ہے۔ طبریؒ کہتے ہیں، مندرجہ بالا آیت میں جر کی قراءت میں ظاہر کا عطف ضمیر پر ہو رہا ہے جو کہ فصیح نہیں ہے اس لیے نصب والی قراءت ہی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔[24]

بعض لوگوں نے امام حمزہ کی "جرّ والی قراءت دو وجہوں سے صحیح نہیں ہے:

نمبر ا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ یہ خبر دے رہے ہیں کہ اہل مکہ آپس میں قرابت داری کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔

نمبر ۲۔ اگر ارحام کا عطف ضمیر پر عطف صحیح قرار دیا جائے تو اس کا مطلب ہو گا جس طرح نام خدا کی قسم کھانا جائز ہے اسی طرح قرابت داری کی قسم کھانا بھی صحیح ہے حالانکہ حدیث کی رو سے نام خدا کے علاوہ کسی بھی چیز قسم کھانا صحیح نہیں۔[25]

امام طبریؒ اور اس کے ہمنوا تمام علماء کے رد میں یہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ قراءت متواترہ ہے اور تمام امت کا اس کے قبول کرنے پر اجماع ہے۔ دوسرے یہ کہ قراءت کے قبول و عدم قبول کا مدار سند کی صحت و ضعف پر ہے نہ کہ علل نحویہ پر ہوتا ہے۔

21-ابن العربی،محمد بن عبداللہ الاندلسی:احکام القرآن، ذیل آیتسورۃ البقرہ:102،واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان،325/1،دارالکتب العلمیہ،بیروت

22-ابن تیمیہ،امام:کتب ورسائل ومجموعہ فتاوی فی الفقہ،کتاب الفقہ،131/21،مکتبہ ابن تیمیہ

23-الشنقیطی،محمد بن محمد بن المختار الجکنی:اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن،330/2،دارالفکرللطباعہ والنشر،بیروت1415ھ

24-ابن تیمیہ:391/13حوالہ مذکور

25-ابن عطیہ:المحرر الوجیز،6/2،دار الکتب العلمیہ،بیروت،2001ء

چنانچہ امام آلوسی فرماتے ہیں:

"امام حمزہ کی اس قراءت کا انکار نہایت قبیح امر ہے اس کے انکار پر کفر تک پہنچ جانے کا ڈر ہے"۔[26]

اس مذکورہ دلائل کی روسے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مفسرین میں ایک گروہ نے قراءات متواترہ کا بھرپور دفاع کیا ہے جو کہ امام رازیؒ، علامہ آلوسیؒ وغیرہ کا منہج ہے۔اس قاعدہ کی شرائط پر پورا اترنے والی قراءات، قراءات متواترہ کہلاتی ہیں جو کہ قراء عشرہ کی قراءات ہیں ان کے بارے میں فقہاء کا نقطہ نظر کیا ہے اسکا اختصار سے جائزہ لیتے ہیں۔

فقہاء کا قراءات کے بارے میں نظریہ

متواترہ قراءات کے بارے میں فقہاء کا طرز عمل متفقہ ہے۔وہ یہ کہ قراءۃ عشرہ کی قراءات متواترہ ہیں اور قرآن کا حصہ ہے۔مذاہب اربعہ میں کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو قراءات متواترہ کے خلاف ہو۔البتہ دو بعض جگہ دو متواتر قراءتوں میں ظاہراً کوئی تعارض کی صورت آجائے تو وہاں دو قراءتوں کے جمع کرنے میں فقہاء کا طرز عمل مختلف ہے۔یہاں ہم صرف جمہور فقہاء کا قراءۃ عشرہ کی متواتر قراءات کے بارے میں طرز عمل کو ذکر کررہے ہیں۔

امام حمزۃ(م۱۵۶ھ) کے بارے میں امام ابو حنیفہ (م۱۵۰ھ) کا قول ہے:

"شيأنِ غلبتَنا عليهما لسنا ننازعک فيهما، القرآن والفرائض"۔[27]

"دو چیزیں ایسی ہیں کہ آپ ان میں ہم پر غلبہ اور سبقت رکھتے ہیں، جن میں ہم آپ سے کوئی برابری نہیں کرسکتے، یعنی قرآن اور علم فرائض"۔

امام ابو حنیفہؒ اگرچہ قراءت میں امام عاصمؒ کے شاگرد ہیں۔[28]

لیکن امام حمزۃؒ کے بارے میں ان کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ امام صاحبؒ امام حمزۃؒ کی قراءات کو بھی جانتے تھے۔نیز اس کے باوجود فقہ حنفی کے مسائل میں غور فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے مسائل کے استنباط میں صرف امام عاصم کی قراءت پر اکتفاء نہیں کیا ہے۔[29]

اسی طرح امام مالک بن انسؒ (م۱۷۹ھ) کا قول ہے وہ فرماتے ہیں:

"قراءة أهل المدينة سنّة"۔[30]

"اہل مدینہ (امام نافع) کی قراءت سنت (منقولہ) ہے"۔

اسی طرح امام مالک بن انسؒ، امام ابو جعفرؒ (م۱۳۰ھ) کے بارے میں فرماتے ہیں:

"كان أبو جعفر رجلا صالحا يقرئ الناس فی المدينة"[31]

26-النشر:166/1،نیز عبد القوی،صبری،عبدالرؤف،الدکتور:اثرالقراءات فی الفقه الاسلامی،160،اضواء السلف،ریاض،1997ء

27-ابن الجزری:غاية النهايه فی طبقات القراء،342/2، دار الکتب العلمیه،بیروت،1980ء

28-تفصیل کے لئے دیکھیں،عبد القوی،صبری،عبد الرؤف،الدکتور:اثر القراءات فی الفقہ الاسلامی

29- ایضا

30-ابن الجزری:غاية النهايه،383/2، حواله مذکور

31-النشر:333/2،نیز تفسیر طبری:سورة البقره آیت نمبر 9 کی تفسیر

ایک مرتبہ امام مالک سے نماز کے دوران بسم اللہ کے جہر کا حکم پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: "امام نافع سے پوچھو اس لئے کہ ہر علم کا سوال اس کے اہل سے ہی ہوتا ہے، اور نافع قراءات میں لوگوں کے امام ہیں"۔

مزید اس قاعدہ کے ضمن میں یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ جب قراءت صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے متعلق درج ذیل رجحانات اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

متواتر قراءات میں رد و قبول کا قول کرنے والے بعض مفسرین دو متواتر قراءتوں میں سے ایک قراءت کو راجح قرار دیتے ہیں، جبکہ دوسری کو مرجوح قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے نزدیک بھی وہ دونوں قراءتیں متواتر ہوتی ہیں۔ مثلاً امام طبری (م ۳۱۰ھ) اکثر مقامات پر ایک قراءۃ کو راجح اور دوسری قراءۃ کو مرجوح قرار دیتے ہیں اور اس میں معنی اور مطلب کو بنیاد بناتے ہیں۔

گویا کہ امام طبری کے نزدیک قراءت کے راجح یا مرجوح ہونے کا دارو مدار معنی مفہوم پر ہے اس قراءت کے متواتر منقول ہونے پر نہیں ہے۔ بعض مرتبہ امام طبری سرے سے ایک قراءت کو رد ہی کر دیتے ہیں۔[32]

اگرچہ امام ابن عطیہ کسی متواتر قراءت کو رد تو نہیں کرتے، لیکن بہر حال بعض مقامات پر امام ابن عطیہ نے چند قراءتوں کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا ہے۔ امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) کا طرز عمل بھی یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے قراءت متواترہ کو ذکر کرتے ہیں، پھر ان کے معانی اور ان میں ترجیح وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں اس کے بعد قراءات شاذہ وغیرہ کو ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اس طرز عمل کے ساتھ ساتھ امام قرطبی دو متواتر قراءتوں کو قرآن کی مستقل آیت شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی وضاحت امام قرطبی نے خود اپنے الفاظ میں کی ہے:

"وليس من المتشابه أن تقرأ الآية بقراء تين"۔[33]

"یہ بات متشابہ میں سے نہیں کہ کسی آیت کو دو قراءتوں سے پڑھا گیا ہو۔"

قاعدہ نمبر ۲۔

"اتحاد معنى القراء تين أولى من اختلافه"۔[34]

"دو قراءتوں کا ایک معنی میں متحد ہونا اختلاف المعنیٰ سے بہتر ہے۔"

یعنی اگر مفسرین کے کسی آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہوں تو اس تفسیر کو لینا بہتر ہو گا جو اس آیت میں موجود تمام قراءات کی جامع ہو۔

اس لئے کہ قراءات کے معانی میں اتفاق واختلاف کی مختلف صورتیں ہیں:

ا۔ وہ اختلاف جن سے الفاظ اور معانی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، جیسے: امالہ، مدّ، نقلِ حرکت، اظہار وادغام وغیرہ۔ یہ قسم مذکورہ قاعدہ کے تحت نہیں آتی کیونکہ امالہ، مد وغیرہ کے تغیر سے معانی میں فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ وہ قراءات جن کے معانی ایک اعتبار سے متفق اور دوسرے اعتبار سے مختلف ہیں، جیسے: **يَخدَعُونَ ويُخَادِعُونَ ... يَكْذِبُونَ وَيُكَذِّبُونَ... لَمَستُم وَ لَا مَستُم**...وغیرہ۔[35]

32-القرطبی، ابو عبداللہ، محمد بن احمد: الجامع الاحکام القرآن، 11/4، دار الکتب المصریہ، القاہرہ، 1935ء

33-آلوسی، محمود ابوالفضل: روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، سورۃالنساء، 184/4، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س-ن

34-حسین بن علی بن حسین الحربی: قواعد الترجیح عند المفسرین، 100 حوالہ مذکور

35-ایضا

اس دوسری قسم میں قراءات کے معانی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اس صورت میں مذکورہ قاعدے کا انطباق ہو گا اور جہاں ممکن ہو گا تمام قراءات سے ایک جامع معنی لینے کی کوشش کی جائے گی۔

اقوال علماء اور مثال:

ا۔ اس قاعدہ کا امام مکی ابن ابی طالب القیسی (م ۴۳۷ھ) نے اپنی کتاب "الکشف عن وجوہ القراءات السبع" میں کئی جگہ پر ذکر کیا ہے۔ اس کی مثالیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَمَا يَخْدَعُوْنَ إِلَّا أَنْفُسَهُم" اس آیت میں کلمہ: "يَخدَعُونَ" کو کوفہ والوں نے اور ابن عامر نے یاء کو فتح اور خاء کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی نے یاء کو ضمہ، دال کو کسرہ اور خاء کے بعد الف "يُخَادِعُونَ" پڑھا ہے۔ قراءات کے بیان کے بعد ہر قراءت کی محتمل توجیہات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں: "وحمل القراء تين على معنى واحد أحسن وہو أنّ خادع وخدع بمعنى واحد فى اللغة"۔

یعنی دونوں قراءتوں سے ایک معنی لینا زیادہ بہتر ہے وہ اس طرح کہ خَادَعَ وخَدَعَ دونوں لغت میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔[36]

2۔ علامہ سمین الحلبیؒ (م ۷۵۶ھ) نے مندرجہ بالا قاعدہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: "الأصل توافق القراء ات"۔[37]

یعنی اصل، قراءات کا (ایک تفسیر میں) جمع کرنا ہے۔

درج بالا قاعدہ کی مزید تائید امام ابو بکر جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) کے طرز عمل سے ہوتی ہے چنانچہ قراءات متواترہ میں جمع و تطبیق کی صورت نکالنا وہ یہ ہے کہ صرف قراءت متواترہ کا ذکر کرتے ہیں اور صرف ان مقامات پر جہاں ان قراءات سے کوئی فقہی استدلال کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن امام جصاص متواتر قراءتوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ حتی الوسع تطبیق کی صورت نکالتے ہیں۔[38]

الغرض قراءت متواترہ کے رد و قبول میں جمہور فقہا کے طرز عمل متفقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قراء عشرہ کی قراءات متواتر ہیں۔ اور قرآن کا حصہ ہیں نیز مذاہب اربعہ میں کافی تلاش کے بعد بھی کوئی ایسا مسئلہ نہیں ملتا جو کسی متواتر قراءت کے خلاف ہو۔ سوائے اس کے کہ دو متواتر قراءتوں میں بظاہر تعارض کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو وہاں جمع بین القراءتیں میں فقہا کا منہج ایک دوسرے سے مختلف ملتا ہے۔

قاعدۃ نمبر ۳۔

"معنى القراء ة المتواترة أولى بالصواب من معنى القراء ة الشاذة"۔[39]

"قراءتِ متواترہ کا معنٰی قراءتِ شاذہ کے مقابلے میں درست ماننا زیادہ بہتر ہے۔"

یعنی جب قراءت شاذہ سے مستنبط معنی و تفسیر قراءت متواترہ کے معنی و تفسیر کے مخالف ہو اور دونوں کے درمیان تطبیق بھی ممکن نہ ہو تو قراءتِ شاذہ کو چھوڑ کر قراءاتِ متواترہ کے مستنبط معنی کو ترجیح دی جائے گی۔

قراءتِ شاذہ کی تعریف:

لغت میں شذ يشذ شذاً اپنے ساتھیوں سے جدا ہونے کے معنی میں آتا ہے، ہر منفرد و اکیلی چیز کو شاذ کہتے ہیں۔

36-القيسى، ابو محمد بن ابى طالب بن مختار: الكشف عن وجوه القراءات السبع وعللهاوحججها، 229/1، 224، موسسه الرساله، بيروت، 1418ھ

37-سمين الحلبى، احمد بن يوسف: الدر المصون فى علم الكتاب المكون، 555/3، دارالقلم دمشق، 1406ھ

38-الجصاص، امام ابوبكرالرازى الحنفى: احكام القرآن، 345/2، (باب غسل رجلين)، دار احياء التراث العربى، بيروت، 1412ھ

39-حسين بن على بن حسين الحربى: قواعد الترجيح عند المفسرين، 103 حواله مذكور

اصطلاحاً:"کل قراء ۃ اختل فیہا رکن من القراء ۃ الصحیحۃ"۔[40]

وہ قراءت جس میں قراءت صحیحہ کے ارکان (ثلاثہ) میں سے کوئی ایک مفقود ہو، قراءت شاذہ کہلاتی ہے۔

قراءاتِ شاذہ کی کئی اقسام ہیں:

۱۔ آحاد: جس کی سند صحیح ہو لیکن رسم عثمانی و قواعد عربی کے خلاف ہو

۲۔ شاذہ: جس کی سند صحیح نہ ہو۔

۳۔ مدرج: تفسیری تشریح کو بطور قراءات نقل کیا گیا ہو

۴۔ موضوع: جس کی کوئی اصل نہ ہو

اقوال علماء وامثلہ قاعدہ:

۱۔ امام طبریؒ نے اس قاعدہ کو اقوال مفسرین کے مابین ترجیح کے لیے استعمال کیا ہے، چنانچہ آیت: "ومن عندہ علم الکتاب" (الرعد:۴۳) کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

علم الکتاب، یعنی قرآن سے پہلے نازل شدہ کتب کا جس کے پاس علم ہو۔

اس میں ایک قراءت شاذہ: " وَمِنْ عِندِهِ عُلِمَ الْكِتَابُ " بھی ہے، جس کا معنی ہو گا: "اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کتاب کا علم حاصل ہوا"۔ ان دونوں قراءت (متواترہ و شاذہ) کے بیان کے بعد فرمایا: حجاز، شام و عراق کے قراء نے قراءت متواترہ کو اختیار فرمایا ہے لہٰذا اسی قراءت کے معنی و تفسیر کو ترجیح دی جائے گی۔[41]

2۔ اسی طرح علامہ ابن جنیؒ (م ۳۹۲ھ) قراءت شاذہ کی توجیہ بیان کرتے ہیں کہ کفارہ یمین دس مساکین کو کھانا کھلانا، بقدر اس کے جو تم اپنے گھر والوں کو یا ان کے مثل دوسروں کو کھلاتے ہو۔[42]

قاضی ابو محمد ابن عطیہؒ ابن جنیؒ کی اس توجیہ پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ قراءت (شاذہ) رسم مصحف کے خلاف ہے، اس قراءت کے مطابق کی گئی تفسیر بھی اہل علم کی تفسیر کے موافق نہیں۔"[43]

۳۔ امام ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، مندرجہ بالا قاعدہ کی تائید میں کہتے ہیں:

"لا حجۃ فی الشواذ إذا خالفت المشہور"۔[44]

"یعنی قراءت شاذہ، مشہورہ کے مقابلہ میں حجت نہیں"۔

بعض متواتر قراءات کو دوسری قراءات پر معنوی طور پر ترجیح دینے والوں کا میلان ظاہر ہو رہا ہے کہ بعض مفسرین کا طرز عمل قراءات کے بارے میں یہ رہا ہے کہ وہ پہلے قراءات متواترہ کو ذکر کرتے ہیں پھر قراءت شاذہ کو ذکر کرتے ہیں اس کے بعد ان تمام قراءتوں کے ممکنہ معانی کی وضاحت کرتے ہیں۔ مثلاً امام ابن عطیہ (م ۵۴۶ھ) خود اپنے طرز عمل کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں:

40- حسین بن علی بن حسین الحربی:قواعد الترجیح عند المفسرین،103 حوالہ مذکور

41-الطبری،ابو جعفر بن جریر:جامع البیان فی تاویل القرآن،503/16، دار الکتب العلمیہ،بیروت،س،ن

42-ابن جنی،ابو الفتح عثمان:المحتسب فی تبیین شواذ القراءات والایضاح عنہا،218/1، دار الکتب العلمیہ،بیروت،1419ھ

43-ابن عطیہ:المحرر الوجیز،178/5، حسین بن علی بن حسین الحربی:106حوالہ مذکور

44-ابن حجر عسقلانی:فتح الباری شرح البخاری،499/3،دارالفکر،بیروت،س،ن

"وقصدی إيراد جميع القراء ات مستعملها وشاذّها ،واعتمدتُ تبيين المعانی وجميعمحتملات الألفاظ ۔"[45]

"میرا ارادہ یہ ہے کہ میں تمام متواتر اور شاذ قراءتوں کو ذکر کروں ،اور ان کے معانی کی وضاحت کروں اور الفاظ کے تمام احتمالی معانی بیان کروں۔"

پھر قراءات شاذہ کی حجیت وعدم حجیت میں فقہاءواصولین کا موقف مختلف ملتا ہے۔

قراءات شاذہ کی حجیت:

فقہی احکام میں قراءات شاذہ کی حجیت کے بارے میں ابتدائی طور پر فقہاء کے دو مذاہب سامنے آتے ہیں:

نمبر۱۔ قراءت شاذہ حجت ہیں ان کے اوپر عمل کرنا جائز ہے اور قراءت شاذہ کا حکم خبر واحد کا ہے۔

نمبر۲۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ قراءت شاذہ حجت نہیں ہیں۔

قراءات شاذہ کی حجیت کے حامی علماء وفقہاء:

امام ابو حنیفہؒ اور تمام فقہائے حنفیہ بالخصوص امام جصاص قراءات شاذہ کی حجیت کے پرزور حامی ہیں۔استنباط احکام میں قراءات شاذہ کی حجیت پر متفق ہیں کہ جب قراءۃ شاذہ صحیح ثابت ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے ابن مسعودؓ کی قراءۃ فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات سے استدلال کرتے ہوئے قسم کے کفارہ میں روزوں کو پے درپے رکھنے کی شرط لگائی ہے۔

چنانچہ امام ابو بکر جصاص حنفیؒ فرماتے ہیں :

"فَإِنْ قِيلَ : قَدْ أَطْلَقَ اللهُ تَعَالَى صِيَامَ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ غَيْرَ مَعْقُودٍ بِشَرْطِ التَّتَابُعِ ، وَقَدْ شَرَطْتُمْ ذَاكَ فِيهِ وَزِدْتُمْ فِي نَصِّ الْكِتَابِ ، قِيلَ لَهُ : لِأَنَّهُ قَدْ ثَبَتَ أَنَّهُ كَانَ فِي حَرْفِ عَبْدِ اللهِ مُتَتَابِعَاتٍ ۔"[46]

"اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کے کفارہ کے روزوں کو مسلسل اور پے درپے کی شرط کے بغیر مطلق ذکر کیا ہے اور تم قرآن کی نص میں اس شرط کا اضافہ کر رہے ہو تو اسے یہ بتایا جائے گا کہ یہ صحیح ثابت ہے کہ ابن مسعودؓ کے حرف میں متتابعات کا اضافہ موجود تھا۔"

احناف کے نزدیک قراءۃ شاذہ کا بطور حجیت ماخذ شریعت میں مقام ومرتبہ کیا ہے؟ تو اس بارے میں وعلمائے احناف کی رائے یہ ہے کہ قراءات شاذہ پہلے قرآن تھیں، پھر دور رسالتﷺ میں ہی ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رکھا گیا۔ امام جصاصؒ نے اپنی کتاب الفصول فی الاصول میں قراءات شاذہ کی حجیت پر تفصیل سے بحث کی ہے اور مدلل انداز میں قراءات شاذہ کی حجیت کو ثابت کیا ہے، امام ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک رسول ﷺ کی وفات کے بعد قرآن کا نسخ جائز نہیں اور پوری امت کا اس پر اتفاق ہے، سوائے ایک ملحد گروہ کے جو کہ اس کو جائز قرار دے کر شریعت کو بازیچہ اطفال بنانا چاہتا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ نبی ﷺ کی زندگی میں قرآن کا رسم تو منسوخ ہوگیا، لیکن اس کا حکم باقی ہو تو ہمارے اصحاب کے مذہب میں اس کا جواز موجود ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے اصحاب نے کفارہ قسم کے روزوں میں پے درپے کے حکم کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءۃ فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات کے الفاظ موجود ہیں لیکن اب متتابعات کا اضافہ قرآن میں موجود نہیں ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی ﷺ کی زندگی میں ہی عبد اللہ بن مسعودؓ کی اس قراءۃ کی تلاوت نسوخ ہوگئی تھی اور صحابہؓ کو اس کی تلاوت اور مصحف میں اسے لکھنے سے روک دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قرآن کی طرح بطریق تواتر ہم تک نہیں پہنچی اور ہمارے اصحاب کے قول "انہ کان فی

45-ابن عطیہ:المحرر الوجیز،63/1

46-الجصاص،امام ابوبکرالرازی الحنفی:احکام القرآن،189/1

حرف عبداللہ" کا یہی مطلب ہے کہ پہلے یہ قراءۃ قرآن کا حصہ تھی، پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رہا، کیونکہ اگر اس سے یہ مراد لیا جائے کہ رسول ﷺ کی وفات کے بعد بھی یہ قراءۃ ابن مسعودؓ کے حرف میں موجود تھی تو پھر ضروری تھا کہ یہ قراءۃ بھی قرآن کی طرح بطریق تواتر ہم تک پہنچتی اور اسے قبول عام حاصل ہوتا۔"[47]

نیز البحر الرائق میں ہے:" وشرطنا التتابع عملا بقراء ة ابن مسعود: متتابعات۔"[48]

ہم نے کفارہ قسم کے روزوں میں پے در پے کی شرط ابن مسعودؓ کی قراءۃ متتابعات پر عمل کرتے ہوئے لگائی ہے۔ اور امام زیلعیؒ حنفی نے بھی تبیین الحقائق میں احناف کا یہی موقف بیان کیا ہے۔[49]

امام اسنویؒ (م ۷۷۲ھ)، امام ابو حنیفہؒ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وخالف أبوحنيفة ، فذهب إلى الاحتجاج بها ، وبنى عليه وجوب التتابع فى كفارة اليمين لقراء ة ابن مسعود۔"[50]

"امام شافعیؒ کے برعکس، امام ابو حنیفہؒ قراءات شاذہ کی حجیت کے قائل ہیں، چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی شاذ قراءات ثلاثۃ ایام متتابعات کی بنیاد پر انہوں نے کفارہ قسم کے روزوں میں پے در پے کی شرط لگائی ہے۔" ایک قول قراءات شاذہ کی حجیت میں یہ بھی منقول ہے:

"القرءاة الشاذة حجية ظنية خلافا للشافعیؒ"[51]

"یعنی قراءات شاذہ حجت ظنیہ ہیں لیکن امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔"

ان مختلف اقوال کو پیش کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ تمام احناف قراءاۃ شاذہ کی حجیت پر متفق ہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ احناف قراءۃ شاذہ کو بحیثیتِ قرآن قبول نہیں کرتے، بلکہ اسے خبر واحد کی حیثیت دیتے ہیں، کیونکہ اس کا حکم قرآن کی طرح بطریق تواتر نہیں، بلکہ بطریق آحاد ہم تک پہنچا ہے۔

قراءۃ شاذہ پر عمل کرنے کی شرائط:

قراءات شاذہ پر عمل کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ خبر مشہور ہو، کیونکہ احناف کے نزدیک خبر واحد کے ذریعہ نص پر اضافہ جائز نہیں۔

اس شرط کی امام سرخسیؒ نے وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

"ابی بن کعبؓ کی قراءۃ میں شاذ قراءۃ ہے اور غیر مشہور ہے، لہذا اس کے ساتھ نص پر اضافہ ثابت نہیں ہو سکتا، لیکن کفارہ قسم کے روزہ میں ہمارے نزدیک تسلسل شرط ہے یہ حکم قرآن میں مطلق تھا لیکن ہم نے ابن مسعودؓ کی قراءۃ کی بنیاد پر تسلسل کی شرط کو ثابت کیا ہے، کیونکہ یہ قراءۃ امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ تک اتنی مشہور تھی کہ سلیمان بن اعمشؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پر بھی پورا قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، اور مصحف عثمانی پر پڑھتے تھے، اور ہمارے نزدیک خبر مشہور سے اضافہ جائز ہے۔"[52]

47-الجصاص، امام ابوبكرالرازى الحنفى:الفصول فى الاصول253،254/2، دار الكتب العلميه، بيروت، 1420ھ

48-ابن نجيم، زين العابدين بن ابراہيم بن نجيم الحنفى:البحرالرائق شرح كنز الدقائق،315/4، دار الكتب العلميه، بيروت، 1980ء

49-الزيلعى:تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،13/3

50-الاسنوى، امام جمال الدين بن الحسن:التمهيد فى تخريج الفروع على الاصول،142، دارالفكر، بيروت، 1400ھ

51-بہارى، ملا محب الله:مسلم الثبوت، ص151

52-السرخسى:المبسوط،135/3، كتاب الصوم، دارالفكر، بيروت، 1421ھ

قراء ات شاذہ کی حجیت کے قائلین میں امام سرخسیؒ (م۴۹۰ھ) ابن ہمامؒ (م۸۶۱ھ) ابن قدامہؒ، امام ابو بکر جصاصؒ،ابن امیر الحاجؒ،(م۸۷۹ھ)نجم الدین الطوفیؒ(م۷۱۶ھ) علی بن عباس البعلیؒ، ابوالحسین البصری شامل ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد فقہائے مذاہب اربعہ نے بھی قراءاتِ شاذہ کو حجت قرار دیا ہے۔[53]

قراءات شاذہ کو حجت ماننے والوں کے دلائل:

نمبر ا۔ وہ قراءۃ شاذہ جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے اور صحابہ کرامؓ جن کی عدالت پر امت کا اتفاق ہے، نے اسے بیان کیا ہے، وہ یقینا دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ قراءۃ شاذہ واقعی قرآن تھی، لیکن عرضۂ اخیرہ تک اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی، البتہ حکم باقی رکھا گیا، یا یہ سرے سے قرآن تھی ہی نہیں، بلکہ یہ قرآن کی کسی نص کی تفسیر تھی جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی اور صحابیؓ نے اسے قرآن سمجھ کر بیان کر دیا۔ چونکہ یہ دونوں (قرآن اور حدیث رسول اللہ ﷺ) امت کے نزدیک بالاتفاق واجب العمل اور حجت ہیں، لہذا قراءۃ شاذہ جو ان دونوں صورتوں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہے لازما حجت اور واجب العلم ہو گی، کیونکہ اس کا بطور قرآن ثابت نہ ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس کو بطور خبر بھی ثابت نہ مانا جائے۔

نمبر ۲۔ اور جہاں تک اس احتمال کا تعلق ہے کہ ممکن ہے یہ راوی کا اپنا مذہب ہو تو یہ احتمال سراسر باطل ہے، کیونکہ اپنی ذاتی رائے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا، یقینا آپ ﷺ پر افترا پردازی اور جھوٹ باندھنا ہے اور کسی صحابیؓ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کوئی ایسی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دے جو آپ ﷺ کی زبان اقدس سے شادر نہیں ہوئی۔ اور کسی صحابیؓ کے بارے میں یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے سنے بغیر کوئی قراءۃ اپنی طرف سے پڑھ دے، چنانچہ اگر کوئی قراءۃ کسی صحابیؓ سے صحیح ثابت ہے، لیکن بطریق تواتر ہم تک نہیں پہنچی تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عرضۂ اخیرہ کے وقت اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی تھی۔ صحابیؓ کو عرضۂ اخیرہ کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ سے اس کے نسخ کا علم نہیں ہو سکا اور اس نے لاعلمی میں اسے بطور قرآن نقل کر دیا۔ یا پھر وہ کسی نص قرآن کی تفسیر تھی اور راوی نے غلطی سے اسے قرآن سمجھ کر بیان کر دیا۔ اگر وہ قرآن ہوتی تو ضروری تھا کہ ہم تک بذریعہ تواتر پہنچتی، جیسا کہ امام جصاصؒ کے حوالہ سے اس نکتہ کو تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

نمبر ۳۔ ان کی تیسری دلیل عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ روایت ہے کہ "ما سمعت عمر يقرؤها قط إلا {فامضوا إلى ذكر الله}"

"حضرت عمرؓ ہمیشہ "فاسعوا الی ذکر اللہ" کی بجائے "فامضوا الی ذکر اللہ" پڑھا کرتے تھے۔" یہ روایت بھی قراءۃ شاذہ کے حجت ہونے پر واضح دلیل ہے۔ اس کے ضمن میں حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں :

"علماء نے جو مصحف عثمان کے علاوہ دیگر قراءات شاذہ کو بطور تفسیر کے حجت قرار دیا ہے، یہ حدیث اس پر واضح دلیل ہے۔ تمام علمائے کرام نے قراءۃ شاذہ کو حجت قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ مصحف عثمان کے مجمل اور مشکل مقامات کی تفسیر اور تفصیل بیان کی ہے۔[54]

53-عبدالعلی، محمد بن نظام الدین:فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت،191-192، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1417ھ

54-رشید احمد تھانوی، ڈاکٹر: علم تفسیر میں قراءات قرآنیہ سے استفادہ کے مناہج، 146

قراءات شاذہ کی عدم حجیت کے حامی فقہاء:

علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ قراءات شاذہ شرعی احکام میں حجت نہیں ہیں، کیونکہ یہ نہ تو بطور قرآن ثابت ہیں اور نہ ہی بطور خبر واحد ثابت ہیں۔ اس موقف کے حاملین میں امام الحرمین الجوینیؒ، امام غزالیؒ، علامہ آمدیؒ، علامہ ابو المظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار السمعانیؒ اور علامہ ابن حزمؒ سر فہرست نظر آتے ہیں۔[55]

امام الحرمین الجوینیؒ (۴۷۸ھ) امام شافعیؒ کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ظاہر مذہب الشافعی أن القراء ۃ الشاذۃ التی لم تنقل تواترا لا یسوغ الاحتجاج بہا ولا تنزل منزلۃ الخبرالذی ینقلہ آحاد من الثقات۔"[56]

"امام شافعی کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ قراءات شاذہ جو کہ بطریق تواتر منقول نہیں ہیں، نہ تو ان کی بنیاد پر شرعی احکام کا استنباط کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انہیں ثقہ رواۃ سے منقول خبر واحد کی حیثیت سے قبول کرنا جائز ہے۔"

امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) نے نہایت مفصل اور مدلل انداز میں بحث کی ہے، اور قراءات شاذہ کی حجیت کا انکار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"(جب یہ ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف عثمانیہ کے علاوہ تمام مصاحف ختم کر دیئے تھے) تو پھر قراءۃ شاذہ کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اگرچہ یہ قرآں نہیں ہیں، لیکن خبر واحد تو کم از کم ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو قبول کرنے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ قرآن ہیں، جب ان کا قرآن ہونا باطل ٹھہرا ہے تو پھر انہیں خبر واحد کی حیثیت کیسے دی جا سکتا ہے؟"[57]

اور امام ابن حاجبؒ نے بھی واضح طور پر قراءۃ شاذہ کی حجیت کا انکار کیا ہے، فرماتے ہیں:

"العمل بالشاذ غیر جائز مثل فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات"۔[58]

"متتابعات جیسی قراءت شاذہ پر عمل جائز نہیں ہے۔"

قاعدہ نمبر ۴۔

"الوجہ التفسیری والإعرابی الموافق لرسم المصحف أولی من الوجہ المخالف لہ" ۔[59]

"وہ تفسیر جو رسم عثمانی کے موافق ہو اس سے بہتر ہے اس تفسیر سے جو رسم عثمانی کے خلاف ہو"۔

اس قاعدہ کے متعلق ڈاکٹر رشید احمد تھانوی صاحب لکھتے ہیں "یعنی جب مفسرین کا کسی آیت کی تفسیر، تلفظ یا کسی اعراب میں اختلاف ہو جائے تو مختلف اقوال میں سے اس قول کو اختیار کیا جائے گا جو رسم عثمانی کے موافق ہو۔ رسم المصحف کا مطلب ہے، مصحف میں موجود حروف قرآنیہ کی مختلف اشکال اور ان کو لکھنے کی صورتیں۔ اگرچہ رسم عثمانی کے توقیفی ہونے میں اختلاف ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک رسم عثمانی توقیفی ہے، اور راجح قول بھی یہ ہی ہے؛ کیونکہ اگر رسم عثمانی کو توقیفی نہ مانا جائے تو پھر قراءاتِ قرآنیہ کے وحی ربّانی ہونے پر بھی سوالیہ نشان لگ جائے گا۔ گویا قراءاتِ متواترہ کی صحت کا دارومدار ایسی چیز پر رکھ دیا جائے گا جو خود صحابہ کرامؓ کا اجتہاد ہے۔ لہٰذا راجح یہ ہی ہے کہ رسم عثمانی صحابہ کرامؓ

55-عبدالعلی، محمد بن نظام الدین: فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، 191-192

56-الجوینی، امام الحرمین: البرہان فی اصول الفقہ، 257/1

57-الغزالی، المنحول من تعلیقات الاصول۔ 281

58-ابن حاجب: مختصر المنتہی الاصول، 21/2

59-حسین بن علی بن حسین الحربی: قواعد الترجیح عند المفسرین، 110

کا اجتہاد نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ سے سیکھا گیا اور منقول ہے۔ صحابہ کا اس رسم پر اجماع ہے، کاتبان قرآن نے لکھتے ہوئے اسی کو پیش نظر رکھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین، اسی کے مطابق لکھنے کا حکم فرمایا۔"[60]

اس قاعدہ کے مؤیدات:

۱۔ قراءت میں رسم عثمانی کی اتباع لازمی وضروری ہے۔ اس نکتہ پر علماء نے اپنی اپنی تالیفات میں مبسوط کلام فرمایا ہے۔

۲۔ وقف کی صورت میں ابدال، اثبات، حذف، وصل وقطع میں رسم عثمانی کی اتباع کی جائے گی۔

۳۔ علماء نے رسم عثمانی کے علاوہ کسی اور خط کے مطابق قرآن مجید لکھنے سے منع فرمایا ہے، اور رسم عثمانی کے موافق لکھنے کو واجب کہا ہے۔ اس بارے میں علماء کے اقوال مشہور ومعروف ہیں۔

"إن المصحف توقيفي فيلزم بهذا أن يراعي في تفسير معانيه"۔[61]

"رسم مصحف توقیفی سے لہذا کلمات قرآنیہ کے معانی وتفسیر میں اس رسم کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔"

اس قاعدہ کے اطلاق کے بارے میں جن علماء نے مذکورہ بالا قاعدہ سے ترجیح وتضعیف کا کام لیا، سے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۴۔ امام سیوطی نے بھی اپنی تحریروں میں مذکورہ بالا قاعدہ کی طرف نشاندہی کی ہے، ایک جگہ فرمایا ہے:

"الثامن: أن يراعي الرسم"۔[62]

"یعنی کلمات قرآنیہ کا اعراب بیان کرتے ہوئے ضروری ہے کہ رسم عثمانی کا لحاظ کیا جائے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **"وإذا كالوهم أو وزنوهم يخسرون"** (المطففین:۳)

اس آیت کے اعراب میں دو آراء ہیں:

۱۔ "کالوہم" میں "ہم" ضمیر حالتِ نصب میں واقع ہے۔

۲۔ "ہم" ضمیر میں مبتداء واقع ہو رہی ہے اور یخسرون اس کی خبر ہے۔ گویا "ہم" ضمیر سے نئے جملہ کی ابتداء ہوئی ہے۔

لا محالہ اس میں ترجیح قول پہلی رائے کو ہوگی کیونکہ وہ رسم عثمانی کے مطابق ہے، جبکہ قول ثانی میں رسم عثمانی کی مخالفت ہے۔

امام ابو عبیدؒ کہتے ہیں: **"والاختيار أن يكونا كلمة واحدة من جهتين "۔**[63]

قول اول کو ترجیح دو وجہ سے ہے:

الف: رسم عثمانی کی موافقت، صحابہ نے اس کلمہ "ہُمْ" کو واو کے بعد بغیر الف کے لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمیر کا جوڑ "کَالُوْ" سے ہے، نہ کہ یخسرون سے۔

ب: عرب کہتے ہیں: **"کلتک ووزنتک "** بمعنی: **کلت لک ووزنت لک**، یعنی میں نے تمہارے لیے ناپا اور وزن کیا ہے۔[64]

قاعدۃ نمبر ۵ :

60- سمين الحلبي، احمد بن يوسف: الدر المصون في علم الكتاب المكنون، 555/3، دارالقلم دمشق، 1406ھ

61- رشید احمد تھانوی، ڈاکٹر: علم تفسیر میں قراءات قرآنیہ سے استفادہ کے مناہج، 60

62- حسين بن على بن حسين الحربي: قواعد الترجيح عند المفسرين، 110

63- السيوطي، امام جلال الدين ،عبدالرحمن بن ابى بكر: الاتقان في علوم القرآن، 1231/4

64- البغوى، معالم التنزيل، 362/8

"القراء ة المتواترة ہی الأصل، لأنہا قرآن مقطوع به ، فلا تقوی علی معارضتہا قراء ة شاذة۔"[65]

قراءت متواترہ اصل ہے کیونکہ قطعی طور پر یہی قراءت ہی ثابت ہیں لہذا ان کے مقابلہ میں قراءات شاذہ کو ترجیح حاصل نہ ہوگی۔

صحت ثبوت کا اعلیٰ ترین درجہ تواتر کہلاتا ہے۔ اسی وجہ سے قراءاتِ متواترہ یا احادیث متواترہ سے یقین واطمینان وقطعیت حاصل ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ثبوتِ روایات کے جتنے بھی درجے ہیں کوئی بھی متواترہ کے درجے کو نہیں پہنچتا؛لہذا اگر قراءتِ شاذہ، متواترہ کے معارض ہو تو متواترہ کو ترجیح ہوگی، الا یہ کہ قراءتِ شاذہ، قراءت متواترہ کی تائید کر رہی ہو تو بطور موید کے شاذہ کو قبول کر لیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر ٦ :

"القراء تان المتواتران بمنزلة الآيتين، تكمل إحداہما الأخرى ولا تعارضہما ويمتنع الترجيح بينہما فإن أمكن الحمل عليہما لزم ذلک وإلا فہُما بمنزلة آيتين تحلان معنيين۔"[66]

"دو متواتر قراءات دو مستقل علیحدہ علیحدہ آیتیں ہیں، ایک دوسرے کے معنی کی تکمیل کرتی ہے، اس کے معارض نہیں ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا جائز نہیں ہے۔ اگر جمع ممکن ہے تو یہی لازم ہے، ورنہ دونوں قراءتیں دو مستقل آیات شمار ہوں گی۔"

قراءات متواترہ چونکہ قطعیت کے درجہ پر پہنچی ہیں لہذا ایک کی وجہ سے دوسری کا انکار یا توہین وتضعیف گناہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

چنانچہ احکام القرآن للجصاص (م ٣٧٠ھ) میں ہے:

"وما تان القراء تان قد نزل بهما القرآن جميعا ونقلتها الأمّة تلقّيا من رسول الله ﷺ ۔

"اور یہ دونوں قراءتیں ایسی ہیں کہ قرآن ان دونوں کے ساتھ نازل ہوا ہے اور امت نے ان کو رسول اللہ ؐ سے حاصل کیا ہے۔"

امام جصاص آگے لکھتے ہیں :

"وأيضا فإ ن القرا ء تين كا لا۔يتين، فی إحدا هما الغَسل و فی الأ خرىٰ المسحُ لاحتما لهما للمعنيين فلو وردت آ يتا ن ، إحدٰ هما تو جب الغَسل و الأ خرى المسحَ ، لمَا جازَتركُ الغَسل إلى ا لمَسحِ"۔[67]

اور دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں، ان میں سے ایک میں دھونے کا معنی ہے دوسری میں مسح کا معنی ہے کیونکہ یہ دونوں معانی کا احتمال رکھتی ہیں۔ چنانچہ اگر بالفرض دو آیتیں نازل ہو جاتیں، ایک کا موجب دھونا ہوتا اور دوسری کا مسح ہوتا، تو بھی دھونے کو مسح کے مقابلہ میں ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔

تفسیر روح المعانی میں اس اصول کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے :

"ومن القوا عد الأصو لية عند الطائفتين أن القرا ء تين المتواترتين إذا تعارضتا فی آية واحدةفلها حكم آيتين "[68]

اصولی قواعد میں سے ایک یہ ہے (دونوں طائفوں کے نزدیک) کہ متواتر قراءتیں جب ایک آیت میں متعارض ہو جائیں تو اِن کا حکم دو آیتوں کی طرح ہے۔

الاتقان فی علوم القرآن میں ہے:**"وتعارض القراء تين بمنزلة تعارض الآيتين"۔[69]**

دو قراءتوں کا تعارض دو آیتوں کے تعارض کی طرح ہے۔

65-احمد سعد الخطیب:المعنی القرآنی فی ضوء اختلاف القراءات،59

66-ایضا

67-الجصاص،امام ابوبکرالرازی الحنفی:احکام القرآن،345/2۔346

68-آلوسی،محمود ابوالفضل:روح المعانی ،66/6

69-السیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،30/2

اسی طرح تفسیر مظہری میں ہے:"والقراء تان بمنزلة الآيتين "۔[70]

"دو قراء تیں دو آیتیں کی طرح ہوتی ہیں"۔

البتہ اس ضمن میں صرف امام کرخیؒ(م ۳۴۰ھ)کا ایک اختلافی نقطہ نظر ملتا ہے۔ان کے نزدیک دو قراء تیں دو آیات کی طرح نہیں ہیں۔[71]

نیز ایک مقام پر امام شافعیؒ کا نقطہ نظر بھی اس کے قریب ملتا ہے،جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:"نقرؤها وأرجلَكم"۔[72]

قاعدہ نمبر ۷ :

"القراء ة الشاذة إذا صح سندہا يعمل بها تنزيلاً لها منزلة خبر الآحاد"۔[73]

"قراءت شاذہ کی اگر سند صحیح ہو تو وہ خبرِ واحد کے درجہ پر ہو گی۔"

یعنی جس طرح حدیث میں خبر واحد پر عمل ہوتا ہے اسی طرح قراءات شاذہ کا درجہ بھی ہو گا۔اس کی وضاحت قراءات شاذہ کی حجیت والی بحث میں گزر چکی ہے۔

قاعدہ نمبر ۸:

"كل ما ہو قرآن يجب أن يكون متواتراً في أصله وأجزائه وأيضاً في محله ووضعه"۔[74]

وہی کلام قرآن کہلانے کا حقدار ہو گا جو گروہ در گروہ نقل ہوتا چلا آیا ہو اور جس میں جھوٹ کی گنجائش نہ ہو اس کے علاوہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں۔اصل اور اجزاء سے مراد آیات کی تراکیب،بناوٹ اور ہیئت کذائی ہے۔اور محل و وضع سے مراد،آیات کی ترتیب ہے کہ لکھنے میں ترتیب بھی وہی ہو گی جو متواتر طریقے سے چلی آرہی ہو۔

قاعدہ نمبر ۹:

"القرآن الكريم ہو الأصل الذى ينبغى أن تقعّد عليه اللغة وبه تضبط قواعد النحو فإذا ثبتت القراء ة القرآنية لزم قبولها والمصير إليها ولا تردّ بقياس عربى۔"[75]

قرآن کریم کو اصل بنا کر اس سے لغت کے قواعد اور نحو کے ضوابط وضع کیے جانے چاہئیں۔اگر قراءت قرآنیہ (صحیح سند) سے ثابت ہو جائے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے کسی عربی ولغوی قاعدہ کی رو سے اس کا رد نہیں کیا جا سکتا۔

یہ قاعدہ مفسرین کرام کے ان بعض اشکالات کا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ بعض قراءات قرآنیہ عربی قواعد پر پورا نہیں اترتیں۔دراصل مفسرین نے یہ سمجھ لیا کہ قراءات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں بلکہ قراء کے اجتہاد کا نتیجہ ہے دوسرے یہ کہ قراءات اگر قواعد کے خلاف نظر آتی ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عربیت کے تمام وجوہ میں سے کسی بھی وجہ پر پورا نہیں اترتیں۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی قراءات ضرور کسی نہ کسی وجہ سے موافق ہوتی ہیں۔بس مفسرین کو اس وجہ کا علم نہیں ہوتا،اس لیے اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔

70-العثمانی،قاضی ثناءاللہ:التفسير المظهری،49،50/3،دار احياء التراث العربی،بيروت،2004ء

71-رشید احمد تھانوی،ڈاکٹر:علم تفسیر میں قراءات قرآنیہ سے استفادہ کے مناہج،65

72-الشافعی:کتاب الام،67/1،دارالوفاء،بیروت،1422ھ،احکام القرآن،44/2،دارالکتب العلمیہ بیروت،1975ء

73-احمد سعد الخطیب:69،حوالہ مذکور

74-ایضا

75-ایضا

قاعدہ نمبر ۱۰:

"القراء ة سنة متبعة فإذا ثبتت فلا يجوز ردہا ولا يحل إنكارہا"۔[76]

"قراءات سنت متبعہ سے جب (صحیح سند) سے ثابت ہو جائے تو اس کا رد اور انکار حرام ہے۔"

سنت متبعہ سے مراد یہ ہے کہ اس کی سند آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح وضابط رواۃ کے ذریعے پہنچتی ہو۔لہذا ایسی قراءت کا انکار کرنا اثم اور گناہ ہے، بعض اوقات یہ کفر تک لے جاتا ہے اور ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

حاصل کلام

یہ بات واضح ہے کہ علماء وفقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ دو مختلف قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں اور قرآن کریم کا نزول سات حروف پر ہوا ہے۔سبعۃ احرف کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ان احادیث کا مطالعہ کیا جائے جن میں اس کا تذکرہ آتا ہے اور ان حالات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن میں یہ بات کہی گئی ہے۔ مدنی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ تھا جن میں مختلف رنگ، نسل اور قبیلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بستے تھے۔اور جزیرۃ العرب کے اطراف سے اوراس کے باہر سے بھی لوگ کثرت سے اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے آتے رہتے تھے۔لہذا قرآن کریم کی جامعیت اور عالمگیریت کا تقاضہ یہی تھا کہ قرآن کریم کو مختلف القراءات رکھا جائے اللہ رب العزت نے انسان کی سہولت اور ضرورت کے پیش نظر قرآن کریم میں مختلف قراءات نازل فرمائیں۔ان مختلف قراءات کے تناظر میں فقہاءومفسرین نے اپنی اپنی بساط کے مطابق ذہنی مشق کرکے ان سے استفادہ کیا ہے، جس کے نتیجہ میں قراءات کا اثر فقہی احکام پر پڑتا ہے اور ساتھ قرآن کریم کی تفسیر پر بھی ان کے اثرات سے نئی جہات متعین ہوتی ہیں۔انہی جہات کے ضمن میں تفسیر کے مختلف پہلو مثلا ادبی، بلاغتی، نحوی اور فقہی وغیرہ ہیں جسکی روشنی میں تفسیری نکات میں نئی سمتیں متعین ہوتی ہیں جیسے معاشرتی مسائل میں "فتبينوا/فتثبتوا" والی قراءات سے بعض مفسرین نے مختلف طرح سے استنباط کیا ہے۔یہ ایک مثال ہے جو کہ مکمل موضوع کی حیثیت رکھتا ہے جس کا اس مقالہ میں احاطہ ممکن نہیں ہے، اس پر مستقل کام کی ضرورت ہے۔

سفارشات

- قراءات کے بہت سے عنوانات اور موضوع ایسے ہیں جن پر تحقیقی کام کی نہایت ضرورت ہے جیسے قراءات شاذہ پر بہت سا تحقیقی کام ہونے کی ضرورت ہے۔
- قراءات سے استفادہ کے اصول میں صحابہ کرام کا منہج اور اسلوب لکھنے کی بھی ضرورت ہے جس پر آئندہ کام کرنے کا ارادہ ہے ان شاءاللہ۔
- اس قسم کی علمی وفکری نشستوں کا اہتمام ہونا نہایت ضروری ہے اور اس کو تمام تعلیمی اداروں میں جاری کرنا چاہئے تاکہ آنے والی نئی نسل ان نایاب علوم سے استفادہ کر سکے۔
- عوام الناس عام طور پر یہ سمجھتے ہیں اختلاف کوئی مذموم عمل ہے اور اسی کی وجہ سے اختلافات سے وحشت کرتے ہیں جبکہ اختلاف ایک فطری عمل ہے اور ہر جگہ مذموم نہیں۔لہذا عوام کو ایسی علمی وفکری نشستوں کے ذریعے آگاہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

76- احمد سعد الخطيب:69،حواله مذكور